(10)

قربانی کرنے والوں کے متعلق جماعت کی ذمہ داری

(فرمودہ ۲۰ مارچ ۱۹۲۵ء)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

وہ تکلیف دہ اور صبر و قرار کو کھو دینے والے واقعات جو پچھلے چند مہینوں میں ہمیں پیش آئے۔ ان کے متعلق طبعی طور پر ہماری جماعت کے دلوں میں ایک بہت بڑا ہیجان اور جوش ہے اور ہونا چاہیے۔ کیونکہ اگر ان مظالم کے بعد جو کابل میں ہمارے مظلوم بھائیوں پر کئے گئے اور اس بیدردانہ سلوک کے بعد جو ہمارے بھائیوں کے ساتھ وہاں روا رکھا گیا۔ ہماری جماعت کے دلوں میں دکھ اور درد اور خاص جوش پیدا نہ ہوتا تو میں سمجھتا کہ ہماری جماعت کے دل نہ صرف برادرانہ محبت اور ہمدردی سے خالی ہیں بلکہ ان کے دل انسانی دلوں سے بدل کر کچھ اور بنا دیئے گئے ہیں۔ پس ان واقعات اور حادثات کے بعد جو کابل میں ہمارے مظلوم بھائیوں کو پیش آئے۔ ہماری جماعت کے اندر جوش کا پیدا ہونا ایک طبعی امر ہے اور میں دیکھتا ہوں ہماری جماعت کے دلوں میں اس بات کا بڑا بھاری احساس اور نہایت ہی گہرا اثر ہے۔ جب وہ یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے کچھ بھائی میدان وفا میں نہایت بہادری اور دلیری کے ساتھ اپنے سروں پر بازی کھیل کر بازی لے گئے ہیں۔ تو ہمیں بھی ضرور کچھ کرنا چاہیے۔ ہماری جماعت کا یہ جوش یہ احساس اور اپنے مظلوم بھائیوں کی مظلومیت پر ان کے دلوں کا یہ اضطراب نہایت قابل قدر ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ایسے موقعوں پر ایسا ہی ہونا چاہیے۔

پس اس جوش اور اس احساس کا طبعی نتیجہ یہ بھی نکلا ہے۔ اور نکلنا چاہیے تھا کہ ہم غور کریں ہم نے اپنے ان مظلوم بھائیوں کو جن کے ساتھ نہایت بے دردی کا معاملہ کیا گیا یا جن پر افغانستان میں ظلم ڈہائے جا رہے اور ہر طرح ان کو ستایا جاتا ہے۔ انہیں ان مظالم سے نجات دلانے اور دشمنوں کے شر سے بچانے کے لئے کیا کیا اور کیا کر رہے ہیں۔ اور آئندہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس بیدردانہ سلوک پر جو کابل کی حکومت میں ہمارے بھائیوں کے ساتھ کیا گیا اور وہ اندوہ گیں اور المناک واقعہ جو ہمارے مظلوم بھائیوں کو نہایت بے کسی کی حالت میں پیش آیا۔ اس کا یہ لازمی نتیجہ تھا۔ کہ ہماری جماعت کے دلوں میں قدرتی طور پر اس سے خاص جوش اور اس کا خاص احساس پیدا ہوتا۔ اس لئے ہماری جماعت کا جوش اور اس صدمہ کا بڑا بھاری احساس اس وقت ایک طبعی امر ہے جو نہایت قابل قدر ہے۔ اور ایک زندہ جماعت کے افراد کی زندگی کا ثبوت ہے۔ کیونکہ ہر ایک ایسی جماعت جس کے افراد زندہ ہوں ان کا فرض ہے کہ انہیں اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی تکالیف کا احساس ہو۔ پس ہر ایک احمدی اس کا ذمہ دار اور جواب دہ ہے۔ اور لازماً ہر ایک کے دل میں ایسے خیالات پیدا ہونے چاہئیں۔ لیکن یہ واقعات ایسے المناک اور افسوسناک ہیں۔ کہ ہماری جماعت کے افراد تو ایک طرف رہے۔ وہ لوگ جو ہماری جماعت میں شامل نہیں لیکن ہماری جماعت سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ ان کے دلوں پر بھی ان واقعات کا بڑا اثر ہوا ہے۔ پھر وہ لوگ جن کو ہماری جماعت سے کوئی ہمدردی نہیں بلکہ وہ ہمارے دشمن ہیں۔ بلکہ وہ اسلام کے سخت ترین دشمن ہیں۔ ہمارے بھائیوں کی مظلوم حالت نے ان کے دلوں میں بھی حکومت افغانستان کی نسبت جذبات نفرت کی لہر پیدا کر دی ہے۔ حتیٰ کہ بعض ان میں سے اپنے جذبات اور احساسات کو اتنی اہمیت دینے لگ گئے ہیں کہ وہ ہمارے جذبات اور احساسات کا صحیح اندازہ نہ کرتے ہوئے اور ہماری قلبی کیفیات کو نظرانداز کرتے ہوئے یہ خیال کرنے لگ گئے ہیں کہ وہ ہم سے بھی زیادہ اس صدمہ کو محسوس کرتے اور ہم سے زیادہ ہمارے مظلوم بھائیوں کے خیر خواہ ہیں۔ چنانچہ ان کے ہمارے پاس خطوط آئے ہیں اور وہ ہم سے پوچھتے ہیں کہ ہم نے اپنے مظلوم بھائیوں کی اعانت اور مدد کے لئے کیا کچھ کیا اور کیا کریں گے۔

چنانچہ ابھی پچھلے دنوں جو میں ایک کام کے لئے اپنے ایک عزیز کو ملنے کے لئے باہر گیا اور لوٹتے ہوئے لاہور ٹھہرا تو وہاں میرے پاس چند آدمی ان لوگوں کی طرف سے جن کو ہماری جماعت کے لوگ پیغامی کہتے ہیں۔ اور وہ اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں مجھے ملنے کے لئے آئے۔ (وہ جب تک اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں میں بھی ان کو احمدی ہی کہتا ہوں۔ گو عقائد کے لحاظ سے وہ ہمارے سخت مخالف ہیں۔) ان کی طرف سے میں اس لئے کہتا ہوں کہ ان کی گفتگو سے جو انہوں نے مجھ سے کی۔ میں نے یہ معلوم کیا کہ وہ ان میں ابھی شامل نہیں۔ ہاں ان کے ساتھ تعلقات رکھتے ہیں اور ہمارے ایک بھائی نے جو انہیں ساتھ لے کر آئے بر سبیل تذکرہ بیان کیا کہ یہ لوگ کہتے ہیں جو کچھ کابل کے مظلوم احمدیوں کے متعلق مولوی محمد علی صاحب اور ان کے رفقاء نے کیا ہے۔ قادیان

والوں نے اس کے مقابلہ میں کچھ نہیں کیا۔ مجھے یہ بات سن کر خوشی بھی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کا احسان ہے کہ ہمارے ان مظلوم اور بے کس بھائیوں کے ظالمانہ قتل کے خلاف جذبات ان لوگوں کے دلوں میں بھی پیدا ہو گئے ہیں جن سے آج تک سوائے سب و شتم کے ہم نے کبھی کچھ نہیں سنا۔ بلکہ ان واقعات کے بعد بھی انہوں نے کئی ایسی باتیں کی ہیں جن کی غرض صرف ہمیں چڑانے اور ہمارا دل دکھانے کے سوا کچھ نہ تھی۔ مگر بہرحال مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ ان کے دلوں میں بھی یہ احساس پیدا ہوا ہے کہ ہمیں اس فعل کے خلاف آواز اٹھانی چاہیے۔ میں ان کی اس آواز کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں لیکن ساتھ ہی مجھے اس بات پر تعجب اور حیرت بھی ہوئی اور پنجابی کی مثل یاد آگئی جو یہ ہے کہ جو ماں سے زیادہ چاہے پھپھے کٹنی کہلائے۔ بھلا انہوں نے کونسی ایسی عملی کارروائی کی۔ یا انہوں نے کونسی ایسی تجویز کی جس کے ذریعے انہوں نے اپنے وہم میں کابل کے احمدیوں کو آزادی دلائی۔ یا وہ اس کے ذریعے ان کو آزادی دلا بھی سکتے ہیں۔ پھر کونسی عقل اس واہمہ کو ایک منٹ کے لئے صحیح سمجھ سکتی ہے۔ کہ جن کے جسموں کے وہ ٹکڑے تھے اور جن کے خون کا وہ حصہ تھے۔ جن کے ساتھ ان کے دنیا کے جسمانی تعلقات سے بھی زیادہ روحانی تعلقات تھے ان کے دلوں میں تو اپنے بھائیوں کے قتل پر کوئی جذبہ اور جوش پیدا نہ ہو اور دوسرے اپنے اندر زیادہ ہمدردی اور جوش محسوس کریں۔ جب جسمانی تعلقات میں یہ بات نہیں ہوتی کہ جن کا کوئی رشتہ دار مصیبت میں ہو اور وہ خاموش گھروں میں بیٹھے رہیں۔ پس روحانی تعلقات جو جسمانی تعلقات سے کہیں بڑھ چڑھ کر اہمیت رکھتے ہیں۔ ان میں یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ جن کا ان مظلوموں کے ساتھ روحانی تعلق ہو وہ تو گھروں میں آرام سے بیٹھے رہیں لیکن دوسروں کے دل ان کے لئے بے قرار اور اضطراب میں ہوں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو فعل حکومت کابل نے کیا ہے انسانیت کا تقاضا ہے کہ اس سے سب انسان کہلانے والوں کی طبیعتوں میں جوش اور جذبات پیدا ہوں۔ کیونکہ وہ فعل جو انسانیت کے خلاف ہوتا ہے اس کے خلاف سب کے دلوں میں جوش پیدا ہوتا ہے۔ قطع نظر اس سے کہ مظلوم کس مذہب اور فرقہ سے تعلق رکھتا ہو۔ مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں۔ جوش کے بھی حدود اور مدارج ہوتے ہیں اور اصلی طور پر جتنا جوش قریب ترین تعلق رکھنے والے لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو سکتا ہے اتنا دوسرے لوگوں کے دلوں میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ اور احساسات کی وہ لہر جو قریب ترین تعلق رکھنے والوں کے دلوں میں پیدا ہو سکتی ہے وہ دوسروں کے دلوں میں نہیں ہو سکتی۔

میں عیسائیوں اور ہندوؤں کی اس ہمدردی کی بھی جس کا اظہار انہوں نے اس موقع پر کیا

ہے ناشکری نہیں کرتا۔ بلکہ میں اسے قدر اور شکریہ کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں کیونکہ جو شخص انسانوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا۔ وہ خدا تعالیٰ کا بھی شکر گزار نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ(۱) پس اس موقع پر جن لوگوں نے ہمارے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا ہے خواہ وہ عیسائی ہوں۔ خواہ ہندو۔ خواہ پارسی۔ خواہ آریہ۔ کسی مذہب کے ہوں۔ میں ان سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور ان کے اس فعل کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ کے فضل سے میرا دل اپنے اندر ان کی قدر کا خاص احساس پاتا ہے۔ اور جب کہ میں ان لوگوں کے اس ہمدردانہ فعل کا بھی شکریہ کرتا ہوں تو کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ جو مذہباً" افغان گورنمنٹ کے ساتھ ہیں۔ ان کی اس ہمدردی کو ناقدری کی نگاہ سے دیکھوں جو انہوں نے ہمارے بھائیوں کو نہایت بے رحمی کے ساتھ قتل کئے جانے پر کی ہے۔ یقیناً میں ان غیر احمدی اصحاب کو بھی نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور ان کی ہمدردی کا اپنے اندر گہرا احساس پاتا ہوں اور اس کو ناقدری اور ناشکری کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔

پھر جب کہ ان غیر احمدیوں کی ہمدردی جو ہمارے سخت مخالف ہیں۔ لیکن اس وقت خدا کے لئے اور انسانیت کے تقاضا سے وہ ہماری ہمدردی میں کھڑے ہوئے ہیں ان کی ہمدردی میرے دل پر اثر کرتی ہے۔ اور جب کہ وہ لوگ جو مذہب میں بھی ہمارے ساتھ شریک نہیں۔ بلکہ وہ اسلام کے سخت مخالف ہیں ان کی ہمدردی کا شکر اور امتنان میرے لئے ممکن ہے اور میں ان کی قدر کر سکتا ہوں۔ تو پھر میرے لئے یہ کیونکر ممکن ہے کہ میں ان لوگوں کی جو کہ ہمارے سلسلہ سے متعلق ہیں۔ گو کتنا ہی بُعد رکھتے ہوں ان کی اس ہمدردی اور ان کوششوں کو جنہوں نے لوگوں کے جذبات یا خیالات میں ہیجان پیدا کر دیا ہو۔ شکر اور امتنان کی نظر سے نہ دیکھوں۔ میرے دل میں حاشا و کلا ایک منٹ کے لئے بھی کبھی ان کے متعلق بغض و عناد پیدا نہیں ہوا۔ اور نہ اب ہے۔ بلکہ میں ان کے اس فعل کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں بلکہ میرے دل میں ان کا یہ فعل محبت کے جذبات بھی پیدا کرنے والا ہے۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں میں سے نہیں بنایا جو اختلاف کو عداوت کی وجہ بنا لیتے ہیں۔ اور میرے نزدیک جو شخص اختلاف کو عداوت کی وجہ قرار دیتا ہے وہ عقل و دانش کو کھوتا ہے۔ پس خواہ وہ کتنا ہی ہم سے بُعد رکھتے ہوں اور خواہ مجھے ان سے کتنا ہی اختلاف ہو اور خواہ ان کی عدوات ہم سے کس قدر ہی بڑھی ہوئی ہو پھر بھی میں ان کے اس فعل کو جو کہ انہوں نے انسانیت اور شرافت کے تقاضے سے کیا ہے۔ نظر انداز نہیں کر سکتا۔ لیکن میں اس خیال کو بھی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ انہوں نے کوئی ایسا کام کیا ہے۔ یا وہ کوئی ایسا کام کر سکتے ہیں۔ جو ہم نے

اپنے ان مظلوم بھائیوں کے لئے جن کو کابل میں ظالمانہ طور پر نہایت بے رحمی کے ساتھ شہید کیا گیا۔ نہ کیا ہو۔

مگر قطع نظر اس کے کہ انہوں نے کچھ کیا ہے یا نہیں۔ ہماری جماعت کے بعض لوگوں کے دلوں میں بھی یہ سوال پیدا ہوا ہے کہ ہم نے اپنے مظلوم بھائیوں کے لئے کیا کیا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ سوال ان کے دلوں میں بے شک پیدا ہونا چاہیے تھا۔ یہ کوئی قابل الزام بات نہیں۔ کیونکہ وہ بھی اس محبت اور ہمدردی سے کہتے ہیں جو کہ ان کو اپنے ان مظلوم بھائیوں کے ساتھ ہے۔ نہ اس وجہ سے کہ دوسرے لوگوں نے کوئی ایسا کام کیا ہے۔ جو ہم نے نہیں کیا۔ اور واقعہ میں ہمیں یہ نہ دیکھنا چاہیے کہ اور لوگوں نے کچھ کیا ہے یا نہیں۔ ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ ہم نے کیا کیا۔ اور لوگ کچھ کریں یا نہ کریں وہ قابل الزام نہیں۔ مگر ہم قابل الزام ہوں گے۔ کیونکہ آدمی ہمارے مارے گئے ہیں۔ وہ لوگ جو احمدی کہلاتے ہیں۔ (پیغامی) یا وہ لوگ جو غیر احمدی ہیں یا عیسائی ہیں۔ یا ہندو ہیں۔ انہوں نے کچھ کیا یا نہ کیا- یا وہ ان مظالم کے متعلق پروٹسٹ کریں یا نہ کریں۔ مگر سوال یہ ہوتا ہے کہ ہم نے کیا کیا۔ اگر ان میں سے کسی نے کوتاہی کی تو وہ ذمہ دار نہیں۔ مگر ہم نے اگر کچھ کوتاہی کی ہے تو ہم ذمہ دار ہیں۔ بعض نے مجھے خطوط لکھے ہیں کہ ہم نے اپنے مظلوم بھائیوں کے لئے جو کچھ کیا ہے اس سے زیادہ ہمیں کوشش کرنی چاہیے تھی۔ اب تک جو کچھ ہوا ہے سب زبانی ہے۔ چنانچہ اسی مضمون کا ایک عزیز نے مجھے خط لکھا ہے۔ گو اس نے اپنا نام خط پر نہیں لکھا۔ لیکن میں اس کے خط کو خوب پہچانتا ہوں۔ اس پر مجھے تعجب ہوا اور میں کوئی وجہ نہیں پاتا کہ اس عزیز نے کیوں اپنا نام نہیں لکھا۔ کیونکہ اس نے کوئی ایسی بات نہیں لکھی جس کے لکھنے پر نام چھپایا جاتا اور جو قابل الزام ہو اور اگر قابل الزام بھی ہوتی تو بھی ایک مومن کی شان کے یہ بالکل خلاف ہے کہ وہ ایک تحریک کرے مگر اپنے آپ کو چھپائے۔ خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ **قل اعوذ برب الناس ملک الناس الٰہ الناس من شر الوسواس الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس** (الناس) کہ تم کہو میں پناہ مانگتا ہوں - رب الناس، ملک الناس، الہ الناس سے خناس کے وسوسے کے شر سے۔ پس اپنے آپ کو چھپا کر کسی قسم کی تحریک کرنا تو شیطان کا کام ہے۔ مومن ایک منٹ کے لئے بھی یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ وہ ایک تحریک کرے۔ اور پھر اپنے آپ کو چھپائے۔ ایک بات پیش کرے اور خود سامنے نہ آئے۔ یہ طریق خناس کا ہے کہ وہ ایک خیال پیدا کرتا ہے مگر آپ سامنے نہیں آتا۔ مومن کو ایسے طریق سے بچنا چاہیے۔ میں اگر صحیح سمجھا ہوں تو وہ ایک نیک اور مخلص نوجوان ہے۔ اس کا نام چھپانا میں ناپسند کرتا ہوں۔ اس عزیز نے بھی یہ لکھا

ہے۔ ہم نے کابل کے مظالم کے انسداد کے لئے کچھ نہیں کیا اور جو کیا ہے وہ سب زبانی ہے۔ ہم نے اپنی جگہ ریزرویشن پاس کئے اور یہ ایک شور ہے جو دنیا میں پیدا ہو گیا۔ مگر عملی طور پر ہم نے کیا کیا۔ میرے نزدیک یہ سوال صحیح ہے کہ ہم نے اگر سب کچھ زبانی نہیں کیا تو کونسی حقیقی قربانی یا کوئی ایسا کام کیا ہے جس سے ہم ان مظالم میں جو ہمارے بھائیوں پر کئے گئے اور کئے جا رہے ہیں شریک ہو سکیں۔ یا کم از کم ان مظالم سے ان کو بچا سکیں۔ اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ وہ تجاویز اور وہ کوشش جو ہم نے اپنے مظلوم بھائیوں کے لئے کی یا کر رہے ہیں۔ اس حد تک کہ قومی مفاد اور سلسلہ کے اغراض کے لئے ان کا بیان کرنا مضر نہ ہو۔ میں بیان کروں اور بتاؤں کہ کیا کچھ ہم کر سکتے تھے اور کیا کچھ ہم نے کیا۔

مگر پیشتر اس کے کہ میں اس مضمون کے متعلق دوستوں کے سامنے مناسب اور قابل ذکر باتیں جو سلسلہ کے مفاد میں حارج نہ ہوں بیان کروں۔ پہلے میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ حالات اور واقعات مختلف ہوتے ہیں۔ بعض حالات وہ ہوتے ہیں جو انسان کے اپنے اختیار میں ہوتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہوتے ہیں جو اس کے اختیار میں نہیں ہوتے۔ اسی طرح ان کا ازالہ بھی دو طرح ہوتا ہے۔ ایک وہ جو اپنے اختیار میں ہوتا ہے۔ اور ایک وہ جو اختیار سے باہر ہوتا ہے۔ پھر جن حالات کا ازالہ اختیار میں ہوتا ہے۔ وہ بھی دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک وہ کہ جن کے آدمیوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ ان کے اختیار میں ہوتا ہے کہ وہ اپنے آدمیوں کی تکلیف کو دور کریں اور ایک یہ کہ ان کی تکلیف کا رفع کرنا دوسروں کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ پھر وہ دوسرے لوگ جن کے اختیار میں ان کی تکلیف کا ازالہ ہوتا ہے ان تک پہنچنا ممکن ہوتا ہے۔ اور ایک یہ کہ ان تک پہنچنا ناممکن ہوتا ہے۔ اب جن تک پہنچنا ممکن ہوتا ہے اور تکلیف کا ازالہ ان کے اختیار میں ہوتا ہے ان کی بھی دو حالتیں ہوتی ہیں۔ اگر تو وہ لوگ جن تک ہمارا پہنچنا ممکن ہوتا ہے متعصب ہوں تو ان تک پہنچنا نہ پہنچنا برابر ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اگر ان تک پہنچا جائے تو بجائے فائدہ کے مضر ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص نے ارادہ کیا ہے کہ وہ ہمیں قتل کرے یا کوئی ایسی گورنمنٹ ہے جو ہمارے قتل کا ارادہ رکھتی ہے۔ اب اگر اس کے پاس ہم پہنچیں تو کوئی فائدہ نہیں سوائے اس کے کہ وہ وقتی طور پر اپنی تجویز کو بدل لے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اور وہ اس بات کی منتظر رہے گی کہ کسی دوسرے موقع اور وقت پر اپنا کام کرے۔ اس لئے ایسی حالت میں ایسی مخفی تدابیر سے کام لیا جا سکتا ہے کہ اس کو پتہ نہ لگے۔ تو مختلف واقعات کا ازالہ مختلف طریق سے ہوتا ہے۔ پس ہمارا یہ واقعہ بھی اس قسم کا ہے۔ جس سے ہمارا معاملہ ہے۔ وہ کسی کی رعایا نہیں۔ بلکہ خود بادشاہ اور حاکم ہے۔ اس وجہ سے اس کی اور ہماری

حالت میں بہت بڑا فرق ہے۔ وہ بادشاہ ہے اور ہم بادشاہ نہیں۔ اس کے افعال بے شک ظلم کہلائیں ،تعدی کہلائیں مگر اس کا ہاتھ کوئی نہیں روک سکتا۔ اس کے ظلم کا انسداد کوئی دوسری حکومت ہی کر سکتی ہے۔ مگر ہماری کوئی حکومت یا بادشاہت نہیں۔

اگر ہمارے پاس بھی بادشاہت ہوتی تو قرآن کریم کی رو سے ہم پہلے اپنے ان مظلوم بھائیوں کو حکم دیتے کہ وہاں سے ہجرت کر آئیں اور ہمارا فرض ہوتا کہ ہم ان کے رہنے اور گزارے کا سامان مہیا کرتے۔ لیکن چونکہ اس وقت کہیں بھی احمدی حکومت نہیں ہے اور نہ ہمارے پاس کوئی ملک ہے اس لئے ہم ان کو ہجرت کا حکم نہیں دے سکتے اور نہ ہجرت ان کے لئے فرض ہے۔ ہاں اپنے طور پر جہاں کہیں کوئی پناہ حاصل کر سکتا ہو اور اپنے لئے راستہ کھلا پاتا ہو۔ وہ ایسا کر سکتا ہے۔ ہجرت اسی وقت فائدہ مند ہو سکتی ہے جب کہیں اپنی حکومت ہو۔ رسول کریم ﷺ کے وقت بھی جب تک آپ کو حکومت نہیں ملی اس وقت تک مسلمانوں کے لئے ہجرت فرض نہیں ہوئی تھی۔ ۱۳ سال تک متواتر مکہ کے لوگ جس طرح آج احمدیوں پر کابل میں ظلم کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح وہ بھی مسلمانوں پر طرح طرح کے ظلم کرتے رہے مگر ان پر ہجرت فرض نہ ہوئی۔ حتیٰ کہ خود آنحضرت ﷺ نے بھی ہجرت نہ کی۔ پھر وہ وقت آیا کہ آپ نے ارشاد الٰہی کے ماتحت مکہ سے ہجرت کی اور آپ کو باہر جا کر مدینے میں حکومت حاصل ہو گئی۔ اور حکومت ملنے کے ساتھ ہی معاً مسلمانوں پر ہجرت بھی فرض ہو گئی۔ اس سے پہلے ہجرت فرض نہیں ہوئی تھی۔ پس ہجرت اسی وقت فرض ہوتی ہے۔ جب کسی جگہ اپنی حکومت ہو۔ لیکن جب کہیں بھی اپنی حکومت نہ ہو تو پھر ان کو اختیار ہوتا ہے کہ جہاں کہیں اپنے تعلقات اور وسعت کے لحاظ سے وہ اپنی حفاظت کر سکتے ہوں کریں۔ یا پھر اس وقت کا انتظار کریں۔ جب خدا تعالیٰ خود ان کے بچانے کے لئے کوئی راستہ نکالے۔ چونکہ ہماری حکومت نہیں ہے اس لئے ہم ان کو ہجرت کا حکم نہیں دے سکتے۔ یا پھر ان حالات کے ماتحت کہ ایک احمدی اس لئے مارا جائے کہ وہ احمدی ہے۔ شریعت انہیں حق دیتی ہے کہ وہ اس قوم کے خلاف جنگ کریں اور ان کے شر سے اپنے آپ کو بچائیں۔ لیکن چونکہ ہمارے پاس کوئی حکومت نہیں اس لئے یہ بات بھی ہم پر چسپاں نہیں ہو سکتی۔ پس نہ ہم ان کو ہجرت کا حکم دے سکتے ہیں اور نہ کابل کے خلاف جنگ کر سکتے ہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ ہم امیر امان اللہ کے پاس اپیل کریں۔ مگر یہ بھی بے فائدہ ہے اور اس کا کوئی بہتر نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ کیونکہ جس گورنمنٹ میں ہمارے بھائیوں کے ساتھ ایسے شدید مظالم ہو رہے ہیں وہ درحقیقت امیر کابل کے ہاتھ میں نہیں۔ اگر افغان حکومت کے اختیار میں یہ تمام

معاملہ ہوتا تو شائد وہ ایسا نہ کرتی۔ پس وہ گورنمنٹ جس سے یہ قصور سرزد ہوا۔ میرے خیال میں وہ بھی اتنی مجرم نہیں ہے۔ جتنا کہ بظاہر اس کو سمجھا جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ امیر امان اللہ خان اور ان کے وزراء مجرم ہیں۔ مگر اس لئے نہیں کہ انہوں نے ہمارے آدمیوں کو سنگسار کرایا۔ بلکہ وہ اس واسطے مجرم ہیں کہ کسی جماعت سے ڈر کر انہوں نے ایسے فعل کا ارتکاب کیا جسے وہ اپنے خیال میں برا سمجھتے تھے۔ اگر امیر اور ان کے وزراء کے ہاتھ کھلے ہوتے اور حقیقتاً کابل کی حکومت ان کے ہاتھ میں ہوتی تو ہم کو ذاتی طور پر علم ہے اور صحیح علم ہے کہ وہ ایسے افعال کو اپنی حکومت میں ہرگز پسند نہ کرتے۔ چنانچہ افغانستان کے وزیر خارجہ سردار محمود طرزی صاحب جو فرانس میں سفیر ہو کر گئے تھے اور امیر امان اللہ خان کے خسر بھی ہیں۔ جب فرانس سے واپس آتے ہوئے ہندوستان پہنچے تو ہمارے ناظر امور عامہ نے بمبئی میں ان سے ملاقات کی۔ مولوی نعمت اللہ خان صاحب کی شہادت کا واقعہ سن کر انہوں نے بہت تعجب کیا۔ کیونکہ ذاتی طور پر وہ مولوی نعمت اللہ خاں صاحب کو جانتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ میں وہاں پہنچ کر معاملات کے درست کرنے کی کوشش کروں گا۔ اور اپنا پورا زور لگاؤں گا۔ لیکن وہاں جا کر ان کو معلوم ہوا کہ معاملہ ان کی طاقت سے باہر ہے کیونکہ جب خود امیر کچھ نہیں کر سکتا تو پھر وزیر کیا کر سکتا تھا۔ کیونکہ وہاں پر حکومت ملاؤں کے قبضے میں ہے اور ملاؤں کے پاس اپیل کرنا ایسا ہی ہے۔ جیسا کوئیں کے پاس کھڑے ہو کر کوئیں سے پانی مانگنا یا آگ سے درخواست کرنا کہ تو خود بخود بجھ جا اور جلا نہیں۔ بھلا جن ملاؤں کو سالہا سال بلکہ صدیوں سے حرام خوری کی عادت ہو اور حرام خوری ہی ان کی مقتضائے طبیعت ہو چکی ہو ان کے آگے اپنی مصیبت کو پیش کرنا کیا فائدہ دے سکتا ہے۔ چونکہ ان کی انسانیت مردہ ہو چکی ہے اس لئے جب کابل میں مولوی نعمت اللہ صاحب کو شہید کیا گیا تو ہندوستان کے ملانوں نے جن کی طبیعت کا مقتضاء ظلم و جفا کاری ہے بڑی خوشی منائی۔ انہوں نے اور انکے زیر اثر لوگوں نے امیر کو تاریں دیں اور نہایت خوشی کا اظہار کیا۔ اگر یہ ملّانے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ہوتے تو یقیناً یہ یہود کے پاس یا مکے والوں کے پاس اپنے وفد بھیجتے اور نہایت خوشی مناتے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے قتل کرنے کی تجویز کی اور آپ کو دکھ دیئے تھے۔ پھر یہی نہیں اگر یہ ملانے مکہ میں پیدا ہوتے تو یقیناً یہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے لڑتے اور جنگ کرتے۔ لڑنے اور جنگ کرنے کی تو میں نے ان پر بہت زیادہ حسن ظنی کی ہے۔ کیونکہ یہ لوگ سب سے زیادہ بزدل ہوتے ہیں۔ قلم چلانے کے وقت تو یہ آگے ہوتے ہیں۔ لیکن کام کے وقت سب سے پیچھے ہوتے ہیں۔ چنانچہ خلافت کے معاملہ میں سب سے زیادہ یہی ملّانے مسلمانوں کی تباہی کا موجب ہوئے ہیں۔ خود انہوں نے نہ صرف کوئی

نقصان نہیں اٹھایا بلکہ بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے بڑی بڑی رقمیں مسلمانوں سے لئے ہوئے چندوں کی ہضم کرلیں اور وہ مالدار ہو گئے۔ پس ایسی حالت میں جب کہ حکومت اور اختیار اس قسم کے ملّانوں کے ہاتھ میں ہو۔ ان کے آگے اپیل کرنے کا کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا اور ایسی حالت میں امیر امان اللہ خان صاحب کے پاس اپیل کرنا بھی فضول اور بے فائدہ ہے۔ ان کی اپنی ضمیر ان کے سامنے ان مظالم کے خلاف اپیل کر رہی ہے۔ خود سردار محمود طرزی صاحب نے بمبئی میں مولوی نعمت اللہ خاں صاحب کی خبر سن کر بہت افسوس کیا اور کہا کہ میں جاکر اس قسم کے مظالم کا انسداد کروں گا۔ لیکن وہ بھی وہاں پہنچ کر ہر کہ درکان نمک رفت نمک شد کے مصداق ہوگئے۔ کیونکہ وہاں جاکر ان کو محسوس ہوا کہ اگر ہم ان مظالم کے انسداد کی کوشش کریں گے تو حکومت سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ اس لئے وہ بھی خاموش ہو گئے۔ پس وہ مجرم ہیں۔ مگر بے بس مجرم ہیں۔

رسول کریم ﷺ کے وقت نجاشی ۲؎ کو بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا۔ مگر اس نے جرات سے کام لیا تھا۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ کے صحابہ نے جب ابی سینیا میں جاکر پناہ لی تو مکہ سے کفار کا ایک وفد نجاشی کے پاس پہنچا اور کہا ہم اپنے ملک کی پارلیمنٹ کی طرف سے آئے ہیں تا کہ ہمارے آدمی جو آپ کے ملک میں بھاگ آئے ہیں ان کو واپس لے جائیں۔ آخر کئی دنوں کی گفتگو کے بعد نجاشی پر ظاہر ہو گیا کہ یہ لوگ ظالم ہیں اور مسلمانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اس لئے اس نے مسلمانوں کو ان کے ساتھ بھیجنے سے انکار کر دیا۔ چونکہ اس وفد نے عام عیسائیوں اور پادریوں کو مسلمانوں کے خلاف یہ کہہ کر بہت مشتعل کر دیا تھا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ کی شان گھٹاتے اور اس کی ہتک کرتے ہیں۔ تم کیوں پناہ دیتے ہو۔ ان کو ضرور ان کے حوالہ کرنا چاہیے۔ اور سب کے سب درباری بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ امیر کابل کی مشکلات نجاشی کے مقابلہ میں بہت ہی ادنیٰ اور بہت ہی حقیر ہیں۔ کیونکہ نجاشی کی حکومت کی حالت اس وقت امیر کی بادشاہت سے بہت زیادہ بدتر تھی۔ امیر کے ساتھ تو اس کے کچھ ہم خیال لوگ بھی ہیں۔ لیکن نجاشی کے تو سب کے سب مخالف ہو گئے تھے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ جس طرح امیر کابل کو حکومت ملی ہے اس طرح نجاشی کو بھی ملی تھی۔ جس طرح امیر کا چچا ملک پر حکومت کرنا چاہتا تھا اور پھر امیر کو حکومت مل گئی اسی طرح نجاشی کا چچا بھی ملک پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ اور پھر نجاشی کو حکومت مل گئی مگر افسوس کہ ایک عیسائی نے تو یہ جرأت دکھلائی کہ اس قدر مخالفت کے باوجود ایک تنکا اٹھایا اور کہا جو کچھ مسلمانوں نے حضرت عیسیٰ کے حق میں بیان کیا ہے میں حضرت عیسیٰ کو اس سے زیادہ اس تنکے کے برابر بھی نہیں سمجھتا۔ تم یاد رکھو کہ خدا نے مجھے بادشاہ بنایا ہے تم نے میرے چچا کے وقت میرا

کیا بگاڑ لیا تھا کہ اب میرا کچھ بگاڑ لو گے۔ بے شک تم سب میرے مخالف ہو جاؤ مگر میں ان مظلوموں پر ہرگز ظلم نہیں ہونے دوں گا ۳؎ مگر امیر نے ملّانوں کے شور و شر سے خوف کھا کر خاموشی اختیار کی اور ان مظالم کے انسداد کے لئے جرأت سے کام نہ لیا۔ ورنہ اگر وہ جرأت سے کام لیتا تو کوئی بڑی بات نہ تھی۔ خدا تعالیٰ اس کی مدد کرتا اور اس طرح مدد کرتا جس طرح اس نے نجاشی کی کی تھی۔ پس اس میں کوئی شک نہیں کہ امیر کابل مجرم ضرور ہے۔ مگر ہمیں اس کے حالات معلوم ہیں اور ہم یقیناً جانتے ہیں کہ وہ اور نہ اس کے وزراء یہ ہرگز پسند نہیں کرتے کہ احمدیوں پر اس قسم کے ظلم کئے جائیں۔ لیکن ان کے وساوس نے ان کے ہاتھ پاؤں جکڑے ہوئے ہیں۔ انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ملّانوں کے مقابلہ میں خدا کا ہاتھ ہماری حکومت کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ اس لئے انہوں نے بزدلی دکھائی ہے۔ پس ایسی حالت میں ان سے اپیل کرنا فضول ہے۔ جب تک کہ ان کی حکومت ملّانوں کے ہاتھ سے نہ نکلے۔

باقی رہے ملّانے۔ اب خواہ کوئی شخص کتنا بھی تعصب میں اندھا ہو رہا ہو۔ وہ اس امر کا ہرگز یقین نہیں کر سکتا بلکہ امید بھی نہیں کر سکتا کہ وہ ملّانے ہماری اپیل پر اپنے فتویٰ کو واپس کر لیں گے۔ اور ان مظالم سے وہ دست بردار ہو جائیں گے۔ بھلا دیوبند کے ملّانوں کے سامنے ہی کوئی اپیل کر کے منوائے تو سہی۔ جو لوگ کہ انسانی خون میں جو نہایت بے دردی اور ظالمانہ طور پر کیا جائے خوشی اور لذت محسوس کریں۔ جن کی ضمیر قطعاً ایسی حرکات پر ان کو ملامت اور شرمندہ نہ کرے۔ بلکہ وہ فخر کے طور پر اعلان کریں اور نہ صرف یہ کہ وہ فخر کریں بلکہ ان لوگوں کو جنہوں نے اس قسم کے ظلم کئے یہ تحریک کریں کہ یہ بہت اچھا کام ہے۔ اس کو جاری رکھنا چاہیے۔ جن کی فطرت اس حد تک گر گئی ہو ان کے آگے ان کی اس قسم کی حرکات کے خلاف اپیل کرنے میں کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ اگر امیر امان اللہ خان کو سیاسی مجبوریاں اور دنیاوی اغراض کے پورا نہ ہونے کا خطرہ پیش نظر نہ ہوتا تو اس کے پاس اپیل کرنے کا فائدہ بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن افغان گورنمنٹ اپنے سیاسی حالات کے ماتحت مجبور ہے۔ یا کم از کم وہ اپنے آپ کو مجبور رکھتی ہے۔ حالانکہ اگر وہ حق کی تائید میں کھڑی ہوتی تو خدا تعالیٰ اس کی مدد کرتا۔ پس وہ خود آزاد نہیں بلکہ ملّانوں کا ان پر قبضہ ہے۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ ملّانوں نے کوئی فتویٰ دیکر۔ خصوصاً جب کہ انہوں نے اس فتویٰ کو شریعت کی طرف منسوب کیا ہو۔ آج تک کبھی بھی اپنی غلطی کا اقرار کر کے اپنے فتویٰ کو واپس لیا ہے۔ ان خاص بزرگوں کو چھوڑ کر جو پہلے قلیل تعداد میں گزرے ہیں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ ملّانوں نے کبھی بھی اپنے فتویٰ کی غلطی کا اعتراف اور اعلان کیا ہو۔ حضرت عثمانؓ۔ حضرت علیؓ بھی انہی ملّانوں

کے فتوؤں کی وجہ سے شہید کئے گئے۔ اگر کوئی ایک بھی ایسی مثال پیش کر دی جائے کہ ان مولویوں کے پاس اپیل کرنے سے انہوں نے اپنے فیصلہ کو بدل دیا ہو اور انہوں نے اعلان کر دیا ہو کہ ہم سے غلطی ہوئی ہے تو ہم ان ملّانوں کے پاس اپیل نہ کرنے کی غلطی کا اعتراف کریں گے۔ اور ہم جوابدہ ٹھہریں گے۔ لیکن اگر آج تک کوئی ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی۔ تو پھر یہ کہنا عدل و انصاف کے خلاف ہے کہ ہم نے ان کے پاس اپنی مصیبت کے لئے اپیل کیوں نہیں کی۔ خواہ کوئی کتنا ہی متعصب کیوں نہ ہو۔ کون کہہ سکتا ہے یا امید بھی کر سکتا ہے کہ ان مولویوں کے پاس اپیل کرنے سے کچھ فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ پس افغانی گورنمنٹ کی مجبوریوں کو جو اس کے خیال میں مجبوریاں ہیں۔ مد نظر رکھ کر اور ان علماء کے ان فتوؤں کو مد نظر رکھ کر اور وہ بھی اس بناء پر کہ انہوں نے اپنے فتویٰ کو شریعت پر مبنی قرار دیا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ان کے پاس اپیل کرنا یا کوئی اور کوشش نفع مند ہو سکتی ہے۔ پس یہ رستہ تو ہمارے لئے بند ہے۔ اس سے ہمیں کچھ نفع نہیں پہنچ سکتا۔ ہاں کچھ اور تجاویز بھی ہیں۔ جن میں سے بعض انشاء اللہ آئندہ خطبہ میں بیان کروں گا۔ کیونکہ سیاسی امور میں ہر ایک بات قابل ذکر نہیں ہوتی بلکہ سیاسی اور دنیاوی مفاد کے لئے ان کا اخفا ضروری ہوتا ہے۔ ان میں میں بتلاؤں گا کہ ہم صرف پروٹسٹ ہی نہیں کر رہے بلکہ ہم عملی کام بھی کر رہے ہیں۔

میں پہلے بھی جماعت کو اس امر کی طرف توجہ دلا چکا ہوں کہ ہمارے جو بھائی کابل میں قتل ہوئے ہیں۔ وہ تو فوت ہو چکے لیکن جو باقی ہیں۔ ان کے لئے ہمیں فکر ہونی چاہیے۔ اور اس کا بہتر علاج یہی ہے کہ ہم توجہ کے ساتھ کابل کے احمدیوں کے لئے دعائیں کریں۔ اور خصوصیت کے ساتھ ان مظلوموں کے لئے جو وہاں گرفتار ہیں کہ خدا تعالیٰ ان کو ہر قسم کے ظلموں سے نجات دے۔ ہم کمزور ہیں لیکن ہمارا خدا طاقتور ہے۔ وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ میرے نزدیک وہ جو ان مظلوم بھائیوں کے لئے دعا نہیں کرتا وہ احمدی کہلانے کا مستحق نہیں۔ پس ان کے لئے دعائیں کرو۔ اور بار بار کرو اور عجز و انکسار کے ساتھ کرو۔

(الفضل ۲۸ مارچ ۱۹۲۵ء)

۱۔ مجمع بحار الانوار جلد ۲ باب السین

۲۔ اس نجاشی کا نام اصحمہ ہے۔ (سیرت خاتم النبین حصہ اول مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے)

۳۔ سیرت ابن ہشام حالات ہجرت حبشہ